اردو کی پہلی مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' اور ڈاکٹر جمیل جالبی

محمد ابرار
متعلم شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ، یو۔پی

ABSTRACT

The sole purpose and resolution of penning down this article is an attempt to make readers aware of struggles of Dr. Jameel Jalibi .This piece of article deals with the major issues faced by Dr. Jameel jalibi in editing of first Urdu masnavi as well as first literary creation in Urdu called " Kadam Rao Padam Rao ". By this means he attained rough draft (Qalmi Nuskha) of masnavi " Kadam Rao Padam Rao ". In this article an attempt is made to figure out the difficulties faced by Dr. Jameel Jalibi in editing this masnavi critically and investigative manner by giving the evidences, by quoting some other notable Urdu scholars and critics . The starting lines of this article emphasized on the precedence of poetry in world literature as well as in Urdu literature too. This article also asserted the great contribution of Dr. Jameel Jalibi in Urdu literature especially in the field of Urdu research and criticism genre etc.

بنی نوعِ آدم نے از ابتدائے آفرینش جب اپنے قلوب و اذہان میں موجزن تفکرات و خیالات اوراحساسات وجذبات کودوسروں تک پہونچانا چاہا، مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیےکوشش کناں ہواتونظم اورنثرکووسیلۂ اظہار بنایا۔نثراگرچہ نظم سے سہل اورآسان تر ہوتی ہےلیکن تقدم زمانی نظم کوحاصل ہے۔کیوں کہ جب ہم عالمی ادب کا مطالعہ کرتے ہیں۔تونظم کی روایت بمقابل نثر کےقدیم ترملتی ہےگویا نظم نثر سے پہلے معرض وجود میں آئی۔چاہے وہ دورِ جاہلی کا قدیم عربی ادب ہو یا دیگر زبانوں کا ادب، بیشتر جگہ نظم کی اولیت موجود ہے۔جس طرح نظم کودوسری زبانوں کے ادب پر تقدم حاصل ہےاسی طرح اردوزبان میں بھی اس کی اولیت برقرار ہے۔اردوادب کی پہلی باقاعدہ مسلمہ تخلیق مثنوی ’کدم راؤ پدم راؤ‘ فخردین نظامیؔ تسلیم کی جاتی ہے۔جسے ڈاکٹرجمیل جالبی نے مرتب کرکے شائع کیا تھا۔

ڈاکٹرجمیل جالبی دنیائے اردوادب کے آسمان پرایک ایسے آفتاب و ماہتاب ہیں۔جس کی زر پاشیاں مختلف اصنافِ ادب پر مشتمل ہیں۔وہ بہ یک وقت ایک بلند پایہ عالم،قدآورمحقق،صاحبِ نظر نقاد،کامیاب مترجم،بہترین لغت ساز،ایک حساس مدیراوراردوتحریک کے فعال نمائندے کی حیثیت سے شناخت رکھتے ہیں۔گویا آپ کثیرالجہت ادبی شخصیت کے مالک تھے۔مختلف موضوعات پرتیس سے زائد کتابیں اورتین سو سے زیادہ مضامین شائع ہو چکے ہیں۔بعض تخلیقات کے متعددایڈیشن شائع ہوکردنیائے اردوتحقیق وتدوین میں شہرتِ عام اور بقائے دوام حاصل کر چکی ہیں جو شاید کسی دوسرے کا مقدور ٹھہرے۔انہی تحقیقی،تدوینی،ادبی نگارشات اورغیرمعمولی خدمات کی بنیاد پرآپ کا شماراردوادب کے صفِ اول کےمحققین میں کیا جاتا ہے۔گویا آپ کی شخصیت اردوادب میں ایک تاریخ ساز کی ہے۔جیسا کہ ڈاکٹرعبدالعزیز ساحرؔ،جمیل جالبی کی تحقیقی اورتدوینی خدمات کےحوالے سے لکھتے ہیں:

> ’’ڈاکٹرجمیل جالبی تحقیق اورتدوین کی سنگلاخ وادی میں اترےتو نہ صرد اپنے لیےمنفرد راستے کا تعین کیا بلکہ تازہ واردانِ بساطِ تحقیق کے لیے نئے امکانات کے چراغ روشن کیے۔وہ دنیائے تحقیق میں حافظ محمود شیرانی،مولوی شفیع اورمولانا امتیازعلی عرشی کے قبیلے کےفرد ہیں۔‘‘

ڈاکٹرجمیل جالبی اردوتحقیق کے ساتھ ساتھ اردوتنقید میں بھی ایکساں دسترس رکھتے ہیں۔جو

ان کی وسعت مطالعہ، باریک بینی، فکری تعمق، متانت و سنجیدگی اور غیر جانب دارانہ تنقیدی و تحقیقی شعور و بالیدگی کی غماز و عکاس ہیں۔ جیسا کہ گیان چند جین اپنے مضمون ''ڈاکٹر جمیل جالبی: ''تاریخِ ادب اردو'' میں لکھتے ہیں:

> ''میرا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی شخص بہ یک وقت بڑا محقق اور بڑا نقاد نہیں ہو سکتا۔ مجھے اردو میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی لیکن جمیل جالبی کو دیکھ کر میرے عقیدے میں تزلزل ہونے لگتا ہے۔ وہ تحقیق میں تو ارفع مقام پر فائز ہیں ہی، تنقید میں بھی اچھا خاصا مقام رکھتے ہیں۔ اس ادبی تاریخ میں ان کی تنقیدی صلاحیتیں شرح و بسط سے جلوہ گر ہوئی ہیں۔''

دکنی اردو ادب کی پہلی با قاعدہ شعری تخلیق مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' ہے۔ جسے فخر دین نظامی نے ۱۴۲۱ء سے ۱۴۳۵ء کے درمیان بہمنی سلطان احمد شاہ کے عہد میں تصنیف کیا۔ یہ مثنوی اردو ادب کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کیوں کہ اِس مثنوی کی دریافت، تدوین و ترتیب اور اِشاعت سے نہ صرف اردو زبان کی تاریخی، تہذیبی اور ادبی رجحانات کے دھارے نویں صدی ہجری سے جا ملتے ہیں، بلکہ زبان کی بدلتی ہوئی صوری و معنوی ارتقاء کی گمشدہ کڑیاں بھی مل جاتی ہیں۔ اہل علم اور ماہر لسانیات کے سامنے فکر و تدبر، تحقیق و تدوین کی نئی راہیں بھی وا ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اسے ۱۹۷۳ء میں مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ جس پر سندھ یونیورسٹی نے ڈی۔ لٹ کی سند سے نوازا تھا۔ اس مثنوی کے قدیم نسخے کی دریافت اور مخطوطے کی شکل میں بابائے اردو تک رسائی کا مکمل احوال مشفق خواجہ نے مضمون ''مثنوی، کدم راؤ پدم راؤ'' میں بتفصیل لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''حیدآباد دکن میں ایک علم دوست بزرگ تھے لطیف الدین ادریسی، کتابوں کی تجارت ان کا مشغلہ تھا۔ وہ تلاش اور محنت سے کتابیں، خصوصاً قلمی کتابیں حاصل کرتے تھے اور انہیں اہلِ علم تک پہنچاتے تھے۔ ایک مرتبہ انہیں ایک دکنی مثنوی کا مخطوطہ کہیں سے ملا۔ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس کی اور کس زمانے کی تصنیف ہے؟ ادریسی صاحب نے یہ مخطوطہ مشہور محقق مولانا نصیرالدین ہاشمی کو دکھایا۔ ہاشمی صاحب نے اسے سرسری طور پر دیکھا اور اس کے بارے میں ایک مختصر سا

مضمون ''بہمنی عہدِ حکومت کا ایک دکنی شاعر'' کے عنوان سے لکھ کر ''معارف'' اعظم گڑھ کے اکتوبر ۱۹۳۲ء کے شمارے میں چھپوا دیا۔ ہاشمی صاحب نے اس مثنوی کے مرکزی کرداروں کدم راؤ پدم راؤ کی مناسبت سے اس کا نام ''کدم راؤ پدم راؤ'' رکھا۔ گو مصنف نے یہ نام نہیں لکھا تھا، لیکن مثنوی کی شہرت اسی نام سے ہوئی۔ مولانا نصیرالدین ہاشمی کے توسط، سے آج سے بیالیس سال قبل، اردو دنیا اس مثنوی کے وجود سے آشنا ہوئی تھی، لیکن اس کی اصل اہمیت اس وقت واضح ہوگئی، جب یہ مخطوطہ بابائے اردو کے پاس پہنچا۔''

تاریخی اور لسانی نقطۂ نظر سے نہایت اہمیت وافادیت کا حامل یہ مخطوطہ، اب بابائے اردو مولوی عبدالحق کی دسترس میں تھا۔ اگرچہ وہ اردو ادب کے اس گوہرِ نایاب کو اردو کے قصرِ سلطانی پر سجانا و سنورانا چاہتے تھے، مگر تنگئ وقت اور عدیم الفرصتی دامن گیر تھی جس کے سبب خاطر خواہ توجہ نہ دے سکے۔ اس لیے انھوں نے اہلِ علم وفراست کو اس کی تدوین وترتیب کے لیے دعوت دی مگر بیشتر اشخاص نے تحقیق وتدوین کے اس کوہِ ہمالہ کو دیکھ کر راہِ فرار اختیار کی اور بعض نے مولوی صاحب کی طرح عدیم الفرصتی کا عذر پیش کیا۔

ایک مدت مدید کے بعد بالآخر اس کی ترتیب وتدوین ڈاکٹر جمیل جالبی کی مقدور ومقسوم ٹھہری۔ انھوں نے مثنوی کو بڑی محنت ومشقت اور جاں فشانی سے شایانِ شان انداز واسلوب میں ترتیب دیا۔ اپنی جہدِ مسلسل، انتھک کوشش، مستقل مزاجی، خداداد ذہانت وفطانت، فنِ مخطوطہ شناسی کے رموز واسرار سے گہری واقفیت اور اصولِ تدوین وتحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نسخے کی قرأت اور متن کی ترتیب وتدوین میں کامیاب ہوئے۔ جیسا کہ ڈاکٹر جمیل جالبی اپنی سرگرمیوں اور کدوکاوشوں کے بارے میں مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''۱۹۶۷ء میں پہلی بار میں اس مخطوطے سے متعارف ہوا۔ مہینوں اس کے مطالعے کی کوشش میں لگ گئے۔ آتشیں شیشہ لیے گھنٹوں اسے پڑھنے کی کوشش کرتا رہا، لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ایک تو رسم الخط اور اس کے اصول، جو کاتب کے پیش نظر تھے، سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ ڈیڑھ سال کی محنت وکوشش اور لغات کے ساتھ

سر کھپانے کے بعد میں اس قابل ہو گیا کہ کسی حد تک اسے پڑھ سکوں۔ مجھے اس کا اندازہ ہوا کہ کاتب مختلف حروف اور ان کے جوڑ کی مختلف شکلیں کس طرح لکھتا ہے۔ مختلف حروف مثلاً: ب، گ، ڑ، ڈ کے لیے وہ کیا عمل کرتا ہے۔ دوسرے حروف وہ کس طرح بناتا ہے۔ یہ مشکل بھی ہمیشہ پریشان کرتی رہی کہ لفظ پڑھ لیا، تو اس کی تصدیق کے لیے معنی کی تلاش ہوئی۔ یہ کام بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہا۔ پھر دو سال کے اندر اندر مجھ میں یہ حوصلہ پیدا ہو گیا کہ میں اس مخطوطے کی پہلی نقل تیار کر لوں۔ اس نقل کا مقابلہ جب اصل سے کیا، تو اس میں اتنی کانٹ چھانٹ ہوئی کہ میں دوسری نقل تیار کرنے پر مجبور ہوا۔ دوسری نقل کا مقابلہ جب پھر اصل سے کیا اور ہر لفظ پر غور کیا، تو یہ دوسری نقل بھی اس قابل نہ رہی کہ اسے صاف کیا جا سکے۔ دوسری نقل اور اصل کو سامنے رکھ کر میں نے تیسری نقل تیار کی، جو ۱۲ اگست ۱۹۷۱ء کو مکمل ہوئی۔''

چوں کہ مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کا ایک ہی نسخہ دستیاب تھا، جو ناقص الطرفین (وہ نسخہ جس کے اول اور آخر کے اوراق ضائع ہوں) ہونے کے ساتھ ساتھ نامانوس طرز کتابت کا حامل بھی تھا، جس کی قرأت اور تصحیح آسان کام نہ تھی۔ اس لیے ڈاکٹر جمیل جالبی کو مزید مشکلات اور دشواریوں سے دو چار ہونا پڑا۔ مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کے قلمی مخطوطے کا تعارف کراتے ہوئے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کا ایک ہی معلوم نسخہ ہے، جو انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی کے کتب خانۂ خاص میں محفوظ ہے۔ یہ واحد نسخہ بھی ناقص ہے۔ بیچ بیچ میں سے اکثر صفحات غائب ہیں اور آخر میں بھی مثنوی کے کم از کم دو تین صفحات کم معلوم ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کاتب کا نام اور سنۂ کتابت کا بھی پتا نہیں چلتا۔''

ڈاکٹر جمیل جالبی نے مثنوی کے مقدمے میں زمانۂ تصنیف پر جہاں بتفصیل گفتگو کی ہے وہیں داخلی شواہد کی بنیاد پر اس کا تعین بھی کیا۔ کہانی کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ تہذیبی، معاشرتی اور لسانی تجزیہ بھی کیا ہے۔ جمیل جالبی نے اس مثنوی کی تدوین و ترتیب میں ادب کو معاشرتی، تہذیبی و سیاسی عوامل کے ساتھ دیکھا اور سمجھا ہے، اور ادب کی روایت جن جن اثرات و ماحولیات سے مل کر بنتی اور رنگ و روغن کشید

کرتی ہے انہیں بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

بقول جمیل جالبی:

''ادب کی روایت معاشرت وتہذیب سے الگ رہ کر پروان نہیں چڑھتی بلکہ زمانے کی روح کو اپنے اندر سمیٹتی، اپنے خدوخال بناتی ہے۔''

اردو چوں کہ شمالی ہند سے دکن پہنچی تھی۔ مقامی باشندگان سے باہمی اتحاد واشتراک، ابلاغ و ترسیل سے جو زبان معرض وجود میں آئی، اسے ہی دکنی اردو سے موسوم کیا گیا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شمالی ہند سے کوئی ایک زبان دکن نہیں پہنچی بلکہ یہ علاؤالدین خلجی کی افواج کے ساتھ، پھر امیران صدہ اور ان کے لواحقین ومتوسلین کے ساتھ، اس کے بعد محمد تغلق کے زمانے میں دولت آباد کو دارالحکومت بنایا گیا تو پوری دلّی خالی ہوگئی جو لوگ دکن پہنچے وہ مختلف بولیاں بولتے تھے۔ اس لئے ان تمام بولیوں کے جو اثرات نظامؔی کی زبان پر مرتسم ہوئے، جمیل جالبی نے ان کی نشان دہی کی ہے۔ اور فخر دین نظامؔی کے زبان وبیان کے رجحانات وروایات کو موجود اور مروّج قواعد وضوابط اور اصول کے تناظر میں رکھ کر دیکھنے کی کوشش بھی کی ہے۔ جیسا کہ مثنوی کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''اس مثنوی میں بہ یک وقت کھڑی، پنجابی، راجستھانی، برجی، گجری، سندھی، سرائیکی اور مرہٹی کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ میں نے جب پنجابی، سندھی، کھڑی، راجستھانی، برجی اور گجراتی بولنے والوں کو الگ الگ اس مثنوی کے اشعار سنائے، تو انھوں نے جہاں اور کئی باتیں کہیں، وہاں یہ بات مشترک تھی کہ یہ زبان ان کی اپنی زبان سے قریب ہے اور آج بھی اس کے بہت سے الفاظ ان کے گھروں میں بولے جاتے ہیں۔ اس تجربے سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ قدیم زبان، جو اس مثنوی میں استعمال ہوئی ہے۔ اس میں صدیوں کے میل جول سے متعدد زبانوں کا خون شامل ہے اور اسی خاندانی شباہت کی وجہ سے مختلف زبانیں بولنے والے اسے اپنی زبان سے قریب تر پاتے ہیں۔ معاشرتی، تہذیبی اور سیاسی حالات کے ساتھ اردو کا ذخیرۂ الفاظ، لہجے اور اسالیب تو بدلتے رہے، لیکن یہ ہمیشہ سب ہند آریائی زبانوں کی ایک زبان بن کر پروان چڑھتی رہی، اس لیے میں اس

زبان کو برِصغیر کی ساری ہند آریائی زبانوں کا عادِ اعظم مشترک کہتا ہوں۔''

ڈاکٹر جمیل جالبی نے اِس مثنوی کی تدوین و ترتیب اور تصحیح و قرأت میں بڑی باریک بینی ،سنجیدگی اور عرق ریزی کا مظاہرہ کیا ہے۔انھوں نے اس اِہتمام کے ساتھ ترتیب دے کر شائع کروایا ہے کہ سیدھے ہاتھ کی طرف مخطوطے کے ہر صفحے کا اصل عکس چھاپا گیا ہے اور اس کے سامنے بائیں صفحے پر ان کا تیار کردہ ''متن'' موجود ہے۔ یہ طریقۂ تدوین ان کے کام پر جہاں اعتماد و یقین اور توثیق کی علامت ہے، وہیں اہل علم و تحقیق کے مطالعہ اور مقابلہ کے لئے آسانی بھی فراہم کرتا ہے۔ایک عام قاری بھی اس کا مطالعہ اور مشاہدہ کر کے مثنوی کے رنگ و آہنگ سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔اور اس عہد کی تہذیب و معاشرت اور روایت سے بخوبی واقف ہو سکتا ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب ہی کا کمال ہے کہ انھوں نے اس ناخواندہ متن کو تدوین اور مخطوطہ شناسی کے جملہ رموز و علامات کی مدد سے قابلِ خواندگی بنایا، باوجود اس کے کہ نسخہ ناقص الطرفین، املا اور رسم الخط نامانوس، تسلسل واقعات کی بے ترتیبی، مختلف زبان و بیان کی ہم آہنگی اور کاتب کے طرزِ کتابت کی بے اصولی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے ان تمام مسائل و مصائب کے باوجود قرأت و تصحیح اور ترتیب

و تدوین میں بڑی دیدہ ریزی ،وسعتِ فکری، تعمّقِ نظری اور از حد محنت و مشقت کا ثبوت دیا ہے۔انھوں نے اس مثنوی میں کاتب کے غلط تحریر کردہ درست اِملائی فہرست ،ایک جامع فرہنگ ،متذکرہ شخصیات اور بہمنی سلاطین کے احوال و آثار کے دو ضمیمے بھی شامل کیے ہیں۔مثنوی کی ترتیب و تدوین میں ان تمام اصول و ضوابط اور قواعد و مناہج کا سہارا لیا گیا ہے جو متن کی قرأت و تفہیم میں معاون و ممد ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے ترتیبِ متن میں جدید اصول و مدارج اور قارئین کے رجحانات و دلچسپی کو مدنظر رکھا ہے۔عموماً پرانے متون سے قارئین بے رغبتی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔تحقیقی کاموں میں رغبتی اور دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے ایسے دواعی فراہم کرنا از حد ضروری تھا۔اس لیے آپ کا اندازِ اسلوب اور طرزِ بیان ثقیل اور بوجھل نہیں ہے جو قارئین کی طبیعت پر گراں بار ہوتا۔ بلکہ اتنا صاف و شستہ ،سادہ و دل کش اور جاذبِ نظر ہے، کہ قارئین کو دمِ زدن کے لیے بھی بوریت اور اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا۔ گویا نثر میں شعری حلاوت و شیرینی گھول دی گئی ہو اور تخلیقی نثر کا احساس ہوتا ہے۔

اس قدیم مثنوی کی تدوین کے لیے آپ نے دکنی تہذیب کے ادبی رجحانات ،لسانی وشعری پیکروں کا تاریخی اور فکری زاویے نظر سے مسلسل مطالعہ کیا ہے۔٦ سال کی انتھک کوشش اور جدوجہد کے بعد اس مشکل ترین مہم کو سر کرنے میں کامیاب ہوئے جس کے چند اوراق ہی دیکھ کر بیشتر اہل علم دست بردار ہو گیے تھے یا معذوری کا سہارا لیا تھا۔مگر ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس گوہر نایاب کو اردو ادب کے قصر سلطانی میں سجا اور سنوار کر تا اَبد کے لیے امر کر دیا اور سرمایۂ اردو ادب میں ایک عظیم اضافہ کیا۔جس پر دنیائے اردو زبان وادب تاحین زمانہ مفتخر رہے گی۔

حوالہ جات:

١ تاریخ ادب اردو ڈاکٹر جمیل جالبی

٢ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ ڈاکٹر جمیل جالبی مکتبہ،ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی ١٩٧٩ء

٣ ''ڈاکٹر جمیل جالبی: ''تاریخ ادب اردو'' گیان چند جین

٤ ماہ نامہ قومی زبان: ''جمیل جالبی نمبر'' اکتوبر ٢٠١٩

٥ ڈاکٹر جمیل جالبی: شخصیت اور فن عبدالعزیز ساحر